۱۔ سیاسی نظام

اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ توحید، رسالت، اور خلافت۔ ان اصولوں کو اچھی طرح سمجھے بغیر اسلامی سیاست کے تفصیلی نظام کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس لئے سب سے پہلے میں انہی کی مختصر تشریح کرونگا۔

توحید کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس دنیا کا اور اس کے سب رہنے والوں کا تنہا خالق، پروردگار، اور مالک ہے، حکومت اور فرمانروائی اسی کی ہے، وہی حکم دینے اور منع کرنے کا حق رکھتا ہے، اور بندگی و اطاعت بلاشرکت غیرے اسی کے لئے ہے۔ ہماری یہ ہستی جس کی بدولت ہم موجود ہیں، ہمارے یہ جسمانی آلات اور طاقتیں جن سے ہم کام لیتے ہیں، ہمارے وہ اختیارات جو ہمیں دنیا کی موجودات پر حاصل ہیں، اور خود یہ موجودات جن پر ہم اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہماری اپنی پیدا کردہ یا حاصل کردہ ہے اور نہ اس کی بخشش میں خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہے۔ اس لئے اپنی ہستی کا مقصد اور اپنی قوتوں کا مصرف اور اپنے اختیارات کی حدود متعین کرنا نہ ہمارا اپنا کام ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق ہے۔ یہ صرف اُس خدا کا کام ہے جس نے ہم کو ان قوتوں اور اختیارات کے ساتھ پیدا کیا ہے اور دنیا کی یہ بہت سی چیزیں ہمارے تصرف میں دی ہیں۔ توحید کا یہ اصول انسانی حاکمیت کی سرے سے نفی کردیتا ہے۔ ایک انسان ہو یا ایک خاندان یا ایک طبقہ اور گروہ، یا ایک پوری قوم، یا مجموعی طور پر تمام دنیا کے انسان، حاکمیت کا حق بہرحال کسی کو بھی نہیں پہنچتا۔ حاکم صرف خدا ہے اور اسی کا حکم قانون ہے۔

خدا کا قانون جس ذریعہ سے بندوں کو پہنچتا ہے اس کا نام رسالت ہے۔ اس ذریعہ سے ہمیں دو چیزیں ملتی ہیں۔ ایک کتاب جس میں خدا نے خود اپنا قانون بیان کیا ہے۔ دوسرے کتاب کی مستند تشریح جو رسول خدا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے قول اور عمل میں پیش کی ہے۔ خدا کی کتاب میں وہ تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن پر انسانی زندگی کا نظام قائم ہونا چاہیئے۔ اور رسول نے کتاب کے اس منشا کے مطابق عملاً ایک نظامِ زندگی بنا کر، چلا کر، اور اس کی ضروری تفصیلات بتا کر ہمارے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا ہے۔ انہی دونوں چیزوں کے مجموعے کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے، اور یہی وہ اساسی دستور ہے جس پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے۔

اب خلافت کو لیجئے۔ یہ لفظ عربی زبان میں نیابت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا میں انسان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ زمین پر خدا کا نائب ہے، یعنی اس کے ملک میں اس کے دیئے ہوئے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ آپ جب کسی شخص کو اپنی جائیداد کا انتظام سپرد کرتے ہیں تو لازماً آپ کے پیشِ نظر چار باتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جائداد کے اصل مالک آپ خود ہیں نہ کہ وہ شخص۔ دوسرے یہ کہ اس شخص کو آپ کی جائداد میں آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ اُسے اپنے اختیارات کو اُن حدود کے اندر استعمال کرنا چاہیئے جو آپ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہوں۔ چوتھے یہ کہ آپ کی جائداد میں اُسے آپ کا منشا پورا کرنا ہوگا نہ کہ اپنا۔ یہ چار شرطیں نیابت کے تصور میں اس طرح شامل ہیں کہ نائب کا لفظ بولتے ہی خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتی ہیں۔ اگر کوئی نائب ان چار شرطوں کو پورا نہ کرے تو آپ کہیں گے کہ وہ نیابت کی حدود سے تجاوز کر گیا اور اس نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نیابت کے عین مفہوم میں شامل تھا۔ ٹھیک یہی معنی ہیں جن میں اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیتا ہے اور اس خلافت کے تصور میں بھی یہی چاروں شرطیں شامل ہیں۔ اسلامی نظریۂ سیاسی کی رو سے جو ریا[ست] قائم ہوگی وہ دراصل خدا کی حاکمیت کے تحت انسانی خلافت ہوگی جسے خدا کے ملک میں ا[س کی دی] ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر کام کرکے اس کا منشا پورا کرنا

خلافت کی اس تشریح کے سلسلہ میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ اس معنی میں اسلامی نظریہ سیاسی کسی ایک شخص یا خاندان یا طبقے کو خلیفہ قرار نہیں دیتا بلکہ اُس پوری سوسائٹی کو خلافت کا منصب سونپتا ہے جو توحید اور رسالت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرکے نیابت کی شرطیں پوری کرنے پر آمادہ ہو۔ ایسی سوسائٹی بحیثیت مجموعی خلافت کی حامل ہے اور یہ خلافت اس کے ہر فرد کو پہنچتی ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے اسلام میں جمہوریت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرہ کا ہر فردِ خلافت کے حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔ ان حقوق اور اختیارات میں تمام افراد بالکل برابر کے حصہ دار ہیں۔ کسی کو کسی پر نہ تو ترجیح حاصل ہے اور نہ یہی حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کو ان حقوق اور اختیارات سے محروم کر سکے۔ ریاست کا نظم ونسق چلانے کے لئے جو حکومت بنائی جائیگی وہ انہی افراد کی مرضی سے بنیگی۔ یہی لوگ اپنے اختیاراتِ خلافت کا ایک حصہ اُسے سونپینگے۔ اُس کے بننے میں ان کی رائے شامل ہوگی، اور ان کے مشورے ہی سے وہ چلیگی۔ جو ان کا اعتماد حاصل کریگا وہ ان کی طرف سے خلافت کے فرائض انجام دے گا اور جو ان کا اعتماد کھو دیگا اسے حکومت کے منصب سے ہٹنا پڑیگا۔ اس لحاظ سے اسلامی جمہوریت ایک مکمل جمہوریت ہے، اتنی ہی مکمل جتنی کوئی جمہوریت ہو سکتی ہے۔ البتہ جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے اصولاً الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریۂ سیاسی جمہوری حاکمیت کا قائل ہے اور اسلام جمہوری خلافت کا۔ وہاں جمہور خود بادشاہ ہیں۔ یہاں بادشاہی خدا کی ہے اور جمہور اس کے خلیفہ ہیں۔ وہاں اپنی شریعت جمہور آپ بناتے ہیں۔ یہاں ان کو اُس شریعت کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ سے دی ہے۔ وہاں حکومت کا کام جمہور کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور سب کا کام خدا کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی جمہوریت ایک مطلق العنان خدائی ہے جو اپنے اختیارات کو آزادانہ استعمال کرتی ہے۔ اور اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک پابندِ آئین بندگی ہے جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اُس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے اُس ریاست کا ایک مختصر مگر واضح نقشہ پیش کروں گا جو توحید، رسالت اور خلافت کے اِن بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔

اس ریاست کا مقصد قرآن میں صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اُن بھلائیوں کو قائم کرے، فروغ دے اور پروان چڑھائے جن سے خداوند عالم انسانی زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، اور اُن برائیوں کو روکے، دبائے اور مٹائے جن کا وجود انسانی زندگی میں خداوند عالم کو پسند نہیں ہے۔ اسلام میں ریاست کا مقصد نہ محض انتظام ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قوم کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرے۔ اس کے بجائے اسلام اس کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اسے اپنے تمام وسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہئیں، اور وہ یہ ہے کہ خدا اپنی زمین میں اور اپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی، جو حُسن، جو خیر و صلاح، اور جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے وہ رونما ہو، اور بگاڑ کی اُن تمام صورتوں کا سدِ باب ہو جو خدا کے نزدیک اس کی زمین کو اجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس نصب العین کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام ہمارے سامنے خیر اور شر دونوں کی ایک واضح تصویر رکھتا ہے جس میں مطلوب بھلائیوں اور ناپسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کر دیا گیا ہے۔ اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر ہر زمانے اور ہر ماحول میں اسلامی ریاست اپنا اصلاحی پروگرام بنا سکتی ہے۔

اسلام کا مستقل تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اسلئے وہ اپنی ریاست کے لئے بھی یہ قطعی پالیسی معین کر دیتا ہے کہ اس کی سیاست بے لاگ انصاف، بے لوث سچائی، اور کھری ایمانداری پر قائم ہو۔ وہ ملکی یا انتظامی یا قومی مصلحتوں کی خاطر جھوٹ، فریب اور بے انصافی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ملک کے اندر راعی اور رعایا کے باہمی معاملات ہوں یا ملک کے باہر دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات، دونوں میں وہ صداقت، دیانت اور انصاف کو اغراض و مصالح پر مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ مسلمان افراد کی طرح مسلم ریاست پر بھی وہ یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ عہد کرو تو اسے وفا کرو، لینے اور دینے کے پیمانے یکساں رکھو، جو کچھ کہتے ہو وہی کرو اور جو کچھ کرتے

ہو وہی کہو۔ اپنے حق کے ساتھ اپنے فرض کو بھی یاد رکھو اور دوسرے کے فرض کے ساتھ اُن کے حق کو بھی نہ بھولو۔ طاقت کو ظلم کے بجائے انصاف کے قیام کا ذریعہ بناؤ۔ حق کو بہرحال حق سمجھو اور اسے ادا کرو۔ اقتدار کو خدا کی امانت سمجھو اور اس یقین کے ساتھ اسے استعمال کرو کہ اس امانت کا پورا پورا حساب تمہیں اپنے خدا کو دینا ہے۔

اسلامی ریاست اگرچہ زمین کے کسی خاص خطے ہی میں قائم ہوتی ہے مگر وہ نہ انسانی حقوق کو ایک جغرافی حد میں محدود رکھتی ہے اور نہ شہریت کے حقوق کو۔ جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے اسلام ہر انسان کے لیے چند بنیادی حقوق مقرر کرتا ہے اور ہر حال میں ان کے احترام کا حکم دیتا ہے خواہ وہ انسان اسلامی ریاست کے حدود میں رہتا ہو یا اس کے باہر، خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، خواہ ہم سے صلح رکھتا ہو یا برسرِجنگ۔ انسانی خون ہر حال میں محترم ہے اور حق کے بغیر اسے نہیں بہایا جاسکتا۔ عورت، بچے، بوڑھے، بیمار اور زخمی پر دست درازی کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عورت کی عصمت بہرحال احترام کی مستحق ہے اور اسے بے آبرو نہیں کیا جاسکتا۔ بھوکا آدمی روٹی کا، ننگا آدمی کپڑے کا اور زخمی یا بیمار آدمی علاج و تیمارداری کا بہرحال مستحق ہے خواہ وہ دشمن قوم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ اور ایسے ہی چند دوسرے حقوق اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے عطا کیے ہیں اور اسلامی ریاست کے دستور میں ان کو بنیادی حقوق کی جگہ حاصل ہے۔ رہے شہریت کے حقوق تو وہ بھی اسلام صرف انہی لوگوں کو نہیں دیتا جو اس کی ریاست کے حدود میں پیدا ہوئے ہوں، بلکہ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں پیدا ہوا ہو، اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہوتے ہی آپ سے آپ اس کا شہری بن جاتا ہے اور پیدائشی شہریوں کے برابر حقوق کا مستحق قرار پاتا ہے۔ دنیا میں جتنی اسلامی ریاستیں بھی ہوں گی ان سب کے درمیان شہریت مشترک ہوگی۔ مسلمان کو کسی اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہونے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت نہ ہوگی۔ مسلمان کسی نسلی، قومی یا طبقاتی امتیاز کے بغیر ہر اسلامی ریاست میں بڑے سے بڑے ذمہ داری کے منصب کا اہل ہو سکتا ہے۔

غیر مسلموں کے لئے جو کسی اسلامی ریاست کی حدود میں رہتے ہوں، اسلام نے چند حقوق معین کر دیئے ہیں اور وہ لازماً دستورِ اسلامی کا جز ہوں گے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے غیر مسلم کو ذمی کہا جاتا ہے، یعنی جس کی حفاظت کا اسلامی ریاست نے ذمّہ لیا ہے۔ ذمی کی جان، مال اور آبرو بالکل مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی طرح محترم ہے۔ فوجداری اور دیوانی قوانین میں مسلم اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ذمیوں کے پرسنل لا میں اسلامی ریاست کوئی مداخلت نہ کرے گی۔ ذمیوں کو ضمیر و اعتقاد اور مذہبی رسوم و عبادات میں پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ذمی اپنے مذہب کی تبلیغ ہی نہیں بلکہ قانون کی حد میں رہتے ہوئے اسلام پر تنقید بھی کر سکتا ہے[1]۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے حقوق اسلامی دستور میں غیر مسلم رعایا کو دیئے گئے ہیں اور یہ مستقل حقوق ہیں جنہیں اس وقت تک سلب نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ ہمارے ذمّہ سے خارج نہ ہو جائیں۔ کوئی غیر مسلم حکومت اپنی مسلمان رعایا پر چاہے کتنے ہی ظلم ڈھائے، ایک اسلامی ریاست کے لئے اس کے جواب میں اپنی غیر مسلم رعایا پر شریعت کے خلاف ذراسی دست درازی کرنا بھی جائز نہیں، حتیٰ کہ ہماری سرحد کے باہر چاہے تمام مسلمان قتل کر دیئے جائیں، ہم اپنی حد کے اندر ایک ذمی کا خون بھی قانونی حق کے بغیر نہیں بہا سکتے۔

اسلامی ریاست کے انتظام کی ذمہ داری ایک امیر کے سپرد کی جائیگی جسے صدرِ جمہوریہ کے مماثل سمجھنا چاہیئے۔ امیر کے انتخاب میں تمام اُن بالغ مردوں اور عورتوں کو رائے دینے کا حق حاصل ہو گا جو دستور کے اصولوں کو تسلیم کرتے ہوں۔ انتخاب کی بنیاد یہ ہو گی کہ روحِ اسلام کی واقفیت

---

[1] اس مسئلے پر تفصیلی بحث میں نے اپنے مضمون "اسلام میں مرتد کا حکم" میں کی ہے۔ یہاں صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اسلامی دستور میں غیر مسلموں کو تبلیغ اور تنقید کا جو حق دیا گیا ہے وہ غیر محدود نہیں ہے بلکہ اُن حدود کے اندر مقید ہے جو نوعِ ملکی میں اس کے لئے مقرر کی گئی ہوں۔ بہر حال ایک ذمی کا یہ حق ناقابلِ انکار ہے کہ وہ معقول طریقہ سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے یا ان وجوہ کا اظہار کرے جن کی بنا پر وہ اسلام کو اپنا دین بنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اسلامی سیرت، خدا ترسی اور تدبر کے اعتبار سے کون شخص سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے۔ ایسے ہی شخص کو امارت کے لئے منتخب کیا جائیگا۔ پھر اس کی مدد کے لئے ایک مجلس شوریٰ بنائی جائیگی اور وہ بھی لوگوں کی منتخب کردہ ہوگی۔ امیر کے لئے لازم ہوگا کہ ملک کا انتظام اہل شوریٰ کے مشورہ سے کرے۔ ایک امیر اسی وقت تک حکمراں رہ سکتا ہے جب تک اسے لوگوں کا اعتماد حاصل رہے۔ عدم اعتماد کی صورت میں اسے جگہ خالی کرنی ہوگی۔ مگر جب تک وہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے اسے حکومت کے پورے اختیارات حاصل رہینگے اور وہ شوریٰ کی اکثریت کے مقابلہ میں ویٹو کا استعمال کر سکے گا۔ امیر اور اس کی حکومت پر عام شہریوں کو نکتہ چینی کا پورا حق حاصل ہوگا۔

اسلامی ریاست میں قانون سازی اُن حدود کے اندر ہوگی جو شریعت میں مقرر کی گئی ہیں۔ خدا اور رسول کے واضح احکام صرف اطاعت کے لئے ہیں، کوئی مجلس قانون ساز ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ احکام جن میں دو یا زائد تعبیریں ممکن ہیں، تو ان میں شریعت کا منشا معلوم کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو شریعت کا علم رکھتے ہوں۔ اس لئے ایسے معاملات مجلس شوریٰ کی اس سب کمیٹی کے سپرد کئے جائینگے جو علماء پر مشتمل ہوگی۔ اس کے بعد ایک وسیع میدان اُن معاملات کا ہے جن میں شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ ایسے تمام معاملات میں مجلس شوریٰ قوانین بنانے کے لئے آزاد ہے۔

اسلام میں عدالت انتظامی حکومت کے ماتحت نہیں ہے بلکہ براہ راست خدا کی نمائندہ اور اس کو جوابدہ ہے۔ اگرچہ حاکمانِ عدالت کو مقرر تو انتظامی حکومت ہی کریگی، مگر جب ایک شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھ جائیگا تو وہ خدا کے قانون کے مطابق لوگوں کے درمیان بے لاگ انصاف کریگا اور اس کے انصاف کی زد سے خود حکومت بھی نہ بچ سکیگی حتیٰ کہ حکومت کے رئیس اعلیٰ کو بھی مدعی یا مدعا علیہ کی حیثیت سے اس کے سامنے اسی طرح حاضر ہونا پڑیگا جیسے ایک عام شہری حاضر ہوتا ہے۔